فُغَانِ دَرُوں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ میری ، نفس میرا شعلہ بار ہو گا!!

خوفناک چھلانگ

آج ہمیں جگہ جگہ بلند و بالا مساجد بھی نظر آتی ہیں۔ سر بفلک عمارتیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ سڑکوں پر گاڑیوں کی قطاریں بھی رواں دواں نظر آتی ہیں۔ زندگی کی گہما گہمی بھی ہے۔ رنگینیاں بھی ہیں۔ دلفریبیاں بھی ہیں۔ سب کچھ ہے اگر نہیں ہے تو وہ سکون اور اطمینان نہیں ہے جو گاؤں کے کچے مکانات میں، کھیتوں کی ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں میں، اونچی نیچی سادہ سی مگر کشادہ گلیوں میں، چوک میں بنے ہوئے کنویں کے اردگرد منڈیر سے ٹیک لگائے ہوئے لڑکوں کی ٹولیوں میں، پرانی طرز کی مگر خوبصورت سی مسجد کے پر نور ماحول میں نظر آتا تھا۔ وہ سکون اور اطمینان تو آج چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ کیا ہی عجب ماحول ہوا کرتا تھا۔ کنویں کی منڈیر پر لٹک کر ڈرتے ڈرتے گہرائی میں جھانکنا اور نوجوانوں کا تیزی کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے چرخی گھماتے ہوئے ڈول کے ذریعے کنویں سے پانی نکالنا اور ساتھ ہی بنے ہوئے غسل خانوں میں ٹھنڈے ٹھار پانی سے نہانا یہ سب مناظر تو اب حسین خواب بن کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے گاؤں کے دو چوکوں میں کنویں بنے ہوئے تھے اور مسجد میں بھی ایک کنواں تھا جس کے اندر کافی گہرائی میں جا کر دیوار کے ساتھ بنائے گئے چھجے پر واٹر پمپ نصب تھا۔ ساتھ ہی بڑا سا نلکا بھی لگا ہوا تھا۔ جو اتنا بھاری تھا کہ اسے چلانا ہمارے بس سے باہر تھا۔ مگر موٹر وغیرہ خراب ہونے کی صورت میں بابا پھجا بڑے آرام سے کئی کئی گھنٹے نلکا چلاتا رہتا۔ نمازی وضو کرتے رہتے۔ بابا پھجا شدید گرمی کی پرواہ کئے بغیر حق حق کے نعرے لگاتے ہوئے نلکا چلاتا رہتا اور حوض میں پانی کم ہونے کا نام نہ لیتا۔

اکثر لوگ تلاوت قرآن مجید کرنے کے لئے بھی مسجد کا ہی رخ کیا کرتے تھے۔ ایک طرف بنے ہوئے حجرے میں تلاوت کرنے والے نمازیوں اور مسجد میں ناظرہ قرآن مجید پڑھنے والے بچوں کے لئے الماری میں قرآن پاک اور پارے رکھے ہوا کرتے تھے۔ لوگ پرانی کتابیں اور رسالے وغیرہ بھی اسی الماری میں رکھ جایا کرتے تھے۔ کبھی کبھار وہاں سے ہمیں دلچسپ مضامین اور کہانیاں بھی پڑھنے کو مل جایا کرتی تھیں جو ہماری معلومات میں اضافے کا باعث بنتیں۔ نماز ظہر کے بعد بھی اکا دکا آدمی وہاں تلاوت قرآن پاک میں مصروف نظر آیا کرتے۔ ایک دن غالباً نماز ظہر کے بعد ہی دو تین آدمی اور چند لڑکے اسی حجرے میں بیٹھے تلاوت کر رہے تھے۔ ایک بابا جی اندر داخل ہوئے اور الماری

سے قرآن مجید لینے کے لئے آگے بڑھے۔ الماری کھولتے ہی وہ ٹھٹک سے گئے۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے کہہ رہے تھے: کسی کم بخت چیز نے اتنی پیاری سی کتاب کو کتر کر رکھ دیا ہے۔

سب نے نظریں گھما کر ادھر دیکھا بابا جی کے ہاتھ میں وہ کتاب تھی جو کترنے والی چیز کے دانتوں کا نشانہ بنی تھی اور زبان حال سے اپنی داستان الم سنا رہی تھی۔ بابا جی بھی بیٹھ کر تلاوت کرنے لگے کوئی پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ وہاں بیٹھے ہوئے راشد نے انگلی کے اشارے سے ہمیں الماری کی طرف متوجہ کیا۔ وہاں ایک چوہا بڑے آرام سے اپنے تیز دانتوں کے ساتھ کتر بیونت کا عمل سرانجام دے رہا تھا۔ راشد جلدی سے اٹھا اور کونے میں پڑا ہوا ڈنڈا اٹھا لیا جو قاری صاحب نے شاید پڑھنے والے بچوں کی خاطر تواضع کے لئے رکھا ہوا تھا۔ اس تھوڑی سی ہلچل نے تیز طرار چوہے کو چوکنا کر دیا تھا۔ وہ تیزی سے چھلانگ لگاتا ہوا الماری سے باہر کودا۔ باقی راستے مسدود نظر آئے تو اس نے دروازے کی طرف ہی دوڑ لگا دی۔ راشد ڈنڈا اٹھاتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگا۔ دوسرے لڑکے بھی پیچھے دوڑے۔ چوہا تیزی سے مسجد کا صحن عبور کرتے ہوئے جوتیاں اتارنے والی جگہ جا پہنچا۔ مسجد کا کنواں بھی اسی طرف تھا۔ کنویں کے اردگرد کوئی منڈیر وغیرہ نہ تھی۔ کنویں کے منہ پر رکھا ہوا لکڑی کا تختہ بھی آج کسی نے اتار کر ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ چوہا جونہی کنویں کے قریب سے گزرا راشد بھی اس کے آگے پہنچ چکا تھا۔ اس نے چوہے کو نشانے پر رکھ کر دونوں ہاتھوں سے ڈنڈا بلند کیا۔ موت کو سامنے دیکھ کر چوہا تیزی سے پیچھے کو مڑا اور شاید پورا زور صرف کر کے اچھلا۔ مگر اس کی یہ چھوٹی سی مگر خوفناک چھلانگ موت کا سفر ثابت ہوئی۔ وہ سیدھا کنویں کے منہ میں جا گرا اور پھر کنویں کی گہرائیوں میں گرتا ہی چلا گیا۔ جہاں موت کے اندھیرے منہ کھولے اسے نگلنے کو تیار تھے۔

یہ الگ داستان ہے کہ دو تین بعد پانی کے بدبودار ہونے پر لوگوں کو ساری صورت حال کا پتہ چلا اور بڑے اہتمام کے ساتھ چوہے کی ڈیڈ باڈی باہر نکالنے اور کنویں سے پانی نکالنے کا فریضہ سرانجام دیا گیا۔ لوگوں کے پوچھنے پر راشد بڑی معصومیت سے کہتا: میرا کیا قصور؟ چوہے نے خود ہی موت کے کنویں میں چھلانگ لگائی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ جب موت آ جائے تو ایسی چھلانگیں لگ ہی جایا کرتی ہیں۔ جسمانی موت کا تو خیر ایک وقت مقرر ہے۔ چھلانگ نہ بھی لگائیں وہ تو وقت مقررہ پر آ کر ہی رہتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی چھلانگوں کے نتیجے میں روحانی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ ضمیر مردہ ہو جایا کرتے ہیں۔ ایک ہی چھلانگ میں شرم وحیا کے جنازے اٹھ جاتے ہیں۔ قومی وملی غیرت دفن ہو جاتی ہے۔ دین وایمان کے قیمتی اثاثے گڑھوں میں دفنا دیئے جاتے ہیں۔ اصولوں کی لاشوں سے ذاتی مفادات کے میدان سج جاتے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ ہندوستان جب غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا تو اصولوں کے سودے ہوئے۔ ایمان فروشی کی داستانیں رقم ہوئیں۔ ہندوستان کے مشہور علمی گھرانے کے ایک فرد نے تاج برطانیہ کی خوشنودی کے لئے ایک ہی چھلانگ میں دین، ایمان، غیرت، اصول واقدار سب کے سودے کر لئے۔ تقویۃ الایمان نامی چھوٹی سی کتاب تحریر کر کے پورے ہندوستان کو خطرناک آگ میں جھونک دیا۔ پھر دیکھا دیکھی یہ سلسلہ دراز ہی ہوتا چلا گیا۔ جبہ ودستار والے، منبر ومحراب کے وارث کہلانے والے چھلانگوں پہ چھلانگیں لگاتے چلے گئے۔ علم وفضل کے

تقدس کو پامال کرتے گئے۔ جس محبوب آقا ﷺ کے نام کا صدقہ کھاتے تھے۔انہی کی ناموس وحرمت پر رکیک حملے کر کے خود بھی موت کا نوالہ بنتے رہے اور عقائد ونظریات کے حوض کے صاف وشفاف پانی کو اپنی پھولی پھٹی لاشوں سے بدبودار کر کے سادہ لوح عوام کے عقائد ونظریات بھی تباہ کرتے رہے۔ مرزا غلام احمد قادریانی بھی ہندو آریئے کے خلاف ایک مسلمان مناظر کے روپ میں ابھرا مگر پھر چھلانگیں ہی لگاتا گیا۔ مجدد، مہدی، مثیل مسیح، عین مسیح جیسے ناپاک دعوؤں کو زینہ بناتے ہوئے کفر کی چوٹیاں سر کرتا گیا اس طرح کی چھلانگوں کا نتیجہ موت ہی ہوتا ہے۔ غیرت وحمیت کی موت، ضمیر کی موت، دین وایمان کی موت۔

علم تو روشنی ہے مگر کبھی کبھی یہی روشنی حجاب بھی بن جاتی ہے۔ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ کچھ سجھائی نہیں دیتا، چھلانگیں لگاتے ہوئے انجام کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اسلام آباد کو دھرنوں سے رنگین وسنگین بنانے والے عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر طاہرالقادری نے بھی چھلانگیں لگاتے ہوئے بزعم خود منازل عروج طے کیں۔ وہ ایک شعلہ نوا خطیب کے روپ میں ابھرے مگر انہیں اپنی منزل کہیں اور ہی نظر آ رہی تھی۔ شہرت کی بلند چوٹیاں انہیں خود کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتے ہوئے محسوس ہو رہی تھیں۔ انہوں نے ایک لمبی چھلانگ لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے ایک اجماعی مسئلہ کو اپنی خود ساختہ تحقیق کے نشانے پر رکھ لیا۔ جناح ہال میں منعقدہ ایک تقریب کے دوران مفتی محمد حسین نعیمی صاحب سے پروفیسر صاحب کہنے لگے: مفتی صاحب! آج لیڈ لے جانے کا موقع ہے۔ اگر آپ عورت کی دیت مرد کی دیت کے مساوی قرار دے دیں تو آپ لیڈ لے جائیں گے۔ مفتی محمد حسین نعیمی صاحب تو لیڈ نہ لے جا سکے مگر پروفیسر صاحب لیڈ لے گئے۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ اس مسئلہ پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے۔ چاروں ائمہ کا اجماع ہے۔ ہر دور میں اُمت کے فقہاء کے درمیان یہ مسئلہ اجماعی رہا ہے۔ حتیٰ کہ دیوبندی، وہابی، شیعہ وغیرہ فرقوں نے بھی اس اجماعی مسئلہ کی مخالفت نہیں کی مگر پروفیسر صاحب کو تو لیڈ چاہئے تھی خواہ اجماعی اصولوں کا خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اکابر علماء کرام کی موجودگی میں پروفیسر صاحب نے مسئلہ دیت پر بیان کرتے ہوئے کہا: علماء فقہاء اس کیس میں ایک فریق ہیں لہٰذا اس مسئلہ میں میں ان کے حوالہ جات، تصریحات اور فیصلوں کو سند تسلیم نہیں کرتا۔

پروفیسر صاحب نے جن علماء وفقہاء کو اپنا فریق قرار دیا ان میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی علیہم الرحمۃ جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔ حضور داتا علی ہجویری رضی اللہ عنہ تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کو امام اماماں اور مقتدائے سنیاں قرار دیں مگر پروفیسر صاحب نے انجام سے بے پرواہ ہو کر چھلانگ لگا دی۔ یہ خیال نہیں کیا کہ اجماع اُمت کے دائرے سے نکل کر چھلانگ لگانے والے کے سامنے کتنا گہرا کنواں ہے۔ ضلالت وگمراہی کا کنواں، بے دینی کا گہرا کنواں۔

نبی کریم ﷺ کے اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام علیہم الرضوان دونوں کی محبت جزو ایمان ہے۔ اصحاب رسول ہدایت کے ستارے ہیں تو اہل بیت اطہار طوفانوں سے بچانے والی کشتی نوح کی مانند ہیں۔ محرم الحرام میں اہل سنت وجماعت جہاں شانِ اہل بیت بیان کرتے ہیں۔ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کرتے ہیں تا کہ رافضیت وخارجیت دونوں کا قلع قمع ہو۔ رافضیت وخارجیت دونوں جماعتوں میں شہرت

حاصل کرنے کی آرزو نے یہاں بھی پروفیسر صاحب کو چھلانگ لگانے پر مجبور کر دیا۔ اپنے ایک خطاب میں گوہر افشانی کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام لیوا دس محرم الحرام کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خائن ہیں۔ فتنہ باز ہیں۔ جس مولوی کو دس محرم الحرام کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان بیان کرتے ہوئے سنو تو اسے جوتے مار کر مسجد سے باہر نکال دو۔ پروفیسر صاحب نے یہ نہیں سوچا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان تو اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بیان کرتے ہیں۔ ان کے لئے ہادی و مہدی ہونے کی دعا فرماتے ہیں۔ کیا صحابی رسول کی شان بیان کرنے والے علماء کے خلاف اپنے پیروکاروں کو اکسانے والے پروفیسر صاحب اس چھلانگ کے بعد بھی اہل سنت و جماعت کے دائرے میں رہ سکتے ہیں؟ فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

خبیث وطیب میں امتیاز تو قرآنی حکم ہے۔ ہر دور میں علمائے حق باطل فرقوں کا رد کرتے رہے۔ شہنشاہِ ولایت حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے روافض کا سختی سے رد کیا مگر حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف خود کو منسوب کرنے والے پروفیسر صاحب اپنے خطاب میں کہتے ہیں کہ سنی شیعہ شیر و شکر ہو جاؤ جو ملّا ملوانا تمہیں دو کرنا چاہے اس کو دو کر دو۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ تو سنی شیعہ کو دو قرار دیں اور پروفیسر صاحب انہیں دو کرنے والوں کو دو کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ کیا اس چھلانگ کے بعد بھی پروفیسر صاحب کو قادریت کے دائرہ میں رہنے کا حق باقی ہے؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اُمت مسلمہ پر وہ عظیم احسان ہے کہ ہم زندگیاں صرف کر کے بھی اس کا بدلہ نہیں چکا سکتے۔ ان سے محبت کا تقاضا ہے کہ ان کی شان میں ہرزہ سرائی کرنے والوں کا منہ بند کیا جائے۔ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں بک رہے ہیں تو تم کہو کہ تمہارے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اہل سنت و جماعت ہر دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں تبرا بازی کرنے والوں کے رد کو دینی فریضہ سمجھ کر ادا کرتے رہے۔ منکرین صحابہ سے محبت کا کوئی سنی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ شیعوں کے امام خمینی نے سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا امیر معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اجلہ صحابہ کو نشانہ سبّ بنایا ایسے شخص کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا کر کوئی شخص مسلک اہل سنت کے ساتھ وابستہ نہیں رہ سکتا۔ مگر پروفیسر صاحب نے بڑی اونچی چھلانگ لگائی اور خمینی کی محبت میں ڈوب کر یہ جملے کہے ”امام خمینی تاریخ اسلام کے ان شجاع اور جری مردان حق میں سے ہیں جن کا جینا علی اور مرنا حسین کی طرح ہے خمینی سے محبت کا تقاضا ہے کہ بچہ بچہ خمینی بن جائے“ ذرا اپنے ضمیر اور ایمان کو آواز دیں اور سوچیں کہ اُمت کا عظیم سے عظیم تر ولی بھی جن صحابہ کرام کے مقام تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہزاروں شب بیداریاں اور زندگی بھر کی عبادتیں جن کی ایک نیکی کے برابر نہیں ہو سکتیں مگر پروفیسر صاحب خمینی جیسے شخص کے مرنے جینے کو ان صحابہ کی طرح قرار دے رہے ہیں اور بچے بچے کو خمینی بننے کی ترغیب دلا کر دوسرے الفاظ میں گویا یوں کہہ رہے ہیں کہ بچہ بچہ گستاخ صحابہ بن جائے۔ اگر انصاف نام کی کوئی چیز ہے تو بتایئے کیا اس چھلانگ کے آگے رافضیت کا گہرا کنواں نہیں؟ اگر اسے رافضیت نہیں کہتے تو پھر رافضیت کس بلا کا نام ہے؟

پروفیسر صاحب اور ان کے پیروکاروں کو شکایت ہے کہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام لیوا حضرات انہیں اہل سنت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ بریلویت کا مخالف قرار دیتے ہیں۔ حنفیت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ خود ساختہ شیخ الاسلام تو خود ہی اپنے آپ کو حنفیت اور مسلک اہل سنت سے ماوراء قرار دیتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں کہ میں حنفیت یا مسلک اہل سنت و جماعت کی بالاتری کے لئے کام نہیں کر رہا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ میری جماعت محض اہل سنت کی جماعت نہیں ہوگی بلکہ شیعہ سنی سبھی شامل ہوں گے۔ حتیٰ کہ اقلیتوں کو بھی پارٹی میں مناسب جگہ دی جائے گی۔ وہ تو قادیانیوں کے ساتھ بھی عام شہریوں کی طرح حسن سلوک کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں مسلک کو ذاتی اور نجی مسئلہ سمجھتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ دوسرے مسالک کی توہین اور تکفیر دینداری نہیں وہ کہتے ہیں کہ بریلویت، دیوبندیت، اہلحدیثیت، شیعیت ایسے تمام عنوانات سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ وہ شیعہ وہابی علماء کے پیچھے نماز پڑھنے کے قائل ہیں۔ تفصیلی حوالہ جات کے لئے کتاب خطرہ کی گھنٹی ص 232 تا 235 ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہہ دینا اسلام نہیں لیکن صحابہ کرام علیہم الرضوان کو العیاذ باللہ کافر و مرتد کہنے والے، ضروریات دین کا انکار کرنے والے، قرآن مجید میں تحریف کے قائلین، نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں کھلی گستاخیاں کرنے والے فرقوں اور علماء کو دائرہ اسلام سے خارج کہنا اور ان کی گستاخیوں اور کفریات سے عوام کو آگاہ کرنا یہ جائز ہی نہیں بلکہ اُمت کے علمائے ربانیین کا فرض ہے۔ بڑے بڑے اکابر علمائے سلف وخلف اس فریضہ کو علی الاعلان سرانجام دیتے رہے۔ مگر یہ پروفیسر صاحب بیک جنبش قلم سب کو غلط قرار دے کر پھر بھی خود کو اہل سنت و جماعت کا لیڈر قرار دیتے ہیں۔ ذرا سوچیے کہ تحریک ختم نبوت میں دی گئی قربانیوں اور شہادتوں کا ہم یہی صلہ دیں گے کہ قادیانیوں کو عام شہری کے حقوق دے دیں۔ پھر خدانخواستہ کہیں وہ وقت نہ آجائے کہ اس نرمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانی بھی ملک کا صدر اور وزیر اعظم بن جائے۔ اگر آپ ناموس رسالت کے لئے قربانیاں نہیں دے سکتے تو کم از کم دی گئی عظیم قربانیوں پر پانی پھیرنے کی کوششیں تو نہ کریں۔

پروفیسر طاہر القادری کے ماننے والے کہتے ہیں کہ ہمارے قائد عشق رسول ﷺ کا پرچار کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزائے موت کا قانون بھی ہمارے قائد محترم کی کاوشوں کا ثمر ہے۔ یہ بات تو سو فیصد برحق ہے کہ شاتم رسول کی سزا سزائے موت ہے۔ احادیث صحیحہ شاہد ہیں کہ زمانہ رسالت میں محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے بغیر دوسرے الفاظ میں ماورائے عدالت بعض صحابہ نے اپنے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے شاتمان محبوب کو واصل جہنم کیا تو محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اقدامات کو درست قرار دیتے ہوئے گستاخوں کے خون کو باطل اور ضائع قرار دیا۔ سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے اس قانون کے خلاف آواز اٹھائی۔ اسے ظالم سزا کہا۔ اور یہ کہا کہ قائداعظم محمد علی جناح کے پاکستان میں ایسا قانون نہیں ہوسکتا اور یہ کہا کہ علماء کے فتووں کو میں جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں۔ ایک عاشق رسول غازی ممتاز حسین قادری نے جذبہ عشق رسول سے سرشار ہوکر سلمان تاثیر کو قتل کر دیا۔ ملک کے طول و عرض میں غازی ممتاز حسین قادری کے حق میں جلسے ہوئے۔ جلوس نکالے گئے، تحریکیں چلیں، ان کی باعزت رہائی کے مطالبے کئے گئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ مگر عوامی تحریک کے سربراہ نے یہاں الٹی قلابازی کھائی۔ اپنے سابقہ فتووں کے برعکس غازی صاحب کے اقدام کو سراسر غلط قرار

دیا۔کیا فتوؤں کو ذاتی مصلحتوں کے تابع کر دینا اور چڑھتے ہوئے سورج کو سلام کرنا اسی کا نام عشق رسول ہے؟

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہود و نصاریٰ اسلام کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایمان والو! ان کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ فرمایا کہ ان کے مونہوں سے بغض ظاہر ہے اور ان کے سینوں میں اس سے کہیں زیادہ بغض وعناد چھپا ہوا ہے۔ مگر پروفیسر صاحب تو ان کے ساتھ محبت کے رشتے استوار کرتے ہیں۔ اپنے منہاج سنٹر میں نصاریٰ کو دعوت دے کر کرسمس ڈے مناتے ہیں۔ کیک کاٹتے ہیں۔ کرسمس ڈے کو یوم عید میلاد النبی ﷺ کی طرح قرار دیتے ہیں۔ منہاج القرآن کی مسجد کو عیسائیوں کی عبادت کے لئے کھلا قرار دیتے ہیں جب کہ مساجد تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بنی ہیں، نصاریٰ کے طبلوں اور سارنگیوں کے لئے نہیں۔ نصاریٰ کی خوشنودی کے لئے پروفیسر صاحب یہ کہتے ہیں کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منکر ہو وہ کافر ہے مگر دوسری طرف اسی مجلس میں وہ برملا کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کفار میں شمار نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ تو انہیں واضح طور پر کافر قرار دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اس طرح کی متعدد آیات ہیں جن میں یہود و نصاریٰ کو واضح طور پر کافر فرمایا گیا مگر پروفیسر صاحب یہود و نصاریٰ کی محبت میں اتنا آگے بڑھے اور اتنی خطرناک چھلانگ لگائی کہ قرآن مجید کی واضح آیات کے مقابلہ میں اپنا خود ساختہ نظریہ پیش کر دیا۔ انصاف سے بتایئے جو شخص اسلام دشمن عناصر کی محبت میں کفر و اسلام کے درمیان فاصل سرحدوں کو بھی پھلانگ جائے تو کیا اسے اسلام کے دائرہ میں ہی شمار کیا جائے گا؟ اگر یہی اسلام ہے تو پھر کفر کس چیز کا نام ہے؟

آنکھیں اگر بند ہیں تو پھر دن بھی ہے رات
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

پروفیسر صاحب اسلام آباد میں سیاسی ڈرامہ رچائے بیٹھے ہیں۔ قوم کی ماؤں بہنوں کو پوری دنیا کے سامنے تماشا بنانے کو انقلاب کا نام دے رکھا ہے۔ خود کو مظلوم ثابت کرنے کے لئے سانحہ ماڈل ٹاؤن میں اپنے کارکنوں کی قیمتی جانوں کے ضیاع پر صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی جانیں واقعی قیمتی ہوا کرتی ہیں۔ جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے مگر پروفیسر صاحب اگر مسلمانوں کے لئے جذبہ خیر خواہی رکھتے ہیں تو پھر صرف سانحہ ماڈل ٹاؤن میں ہی تو جانیں ضائع نہیں ہوئیں۔ آج سے پہلے کتنی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ حضور داتا علی ہجویری رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر بم بلاسٹ ہوا۔ محبت و پیار کی خوشبوئیں بانٹنے والے بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس کو نشانہ بنایا گیا۔ سیدنا عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حملہ ہوا۔ سوات میں کتنی بے دردی سے خون کی ندیاں بہائی گئیں۔ مشائخ کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اس وقت پروفیسر صاحب کہاں تھے؟ عمران خان کیوں خاموش تھے؟ اس وقت دہشت گردوں کے خلاف آواز کیوں نہیں بلند کی گئی؟ اس وقت احتجاج کیوں نہیں کیا گیا؟ اس وقت کارکنوں کو سڑکوں پہ کیوں نہیں لایا گیا؟ اس وقت معصوم بچوں کی چیخوں پر کان کیوں نہیں دھرا گیا؟ فلسطین کے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ یہ لوگ خاموش

تماشائی بنے رہے۔دل دہلا دینے والے مناظران کو نہ رلا سکے۔آج اگر یہ اپنے کارکنوں کے خون پر آنسو بہا رہے ہیں۔رو رہے ہیں۔ چیخ رہے ہیں۔چلا رہے ہیں تو یہ مگر مچھ کے آنسو ہی ہیں۔زمانہ دیکھ لے گا یہ اپنے اپنے مفادات کی گٹھڑیاں سمیٹ کر چلتے بنیں گے۔ دھرنوں میں کیئے گئے عہد و پیمان دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔جن کے اپنوں کی جانیں ضائع ہوئیں وہ زندگی بھر آنسو بہاتے رہیں گے۔

فیصل آباد دھوبی گھاٹ میں خطاب کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے کہا: یہ میرے استاذ محترم محدث اعظم پاکستان کا شہر ہے۔ چلو مان لیا کہ محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ پروفیسر صاحب کے دادا استاذ ہیں۔مجازاً انہیں استاذ کہہ دیا لیکن کیا انہوں نے اس پہ بھی غور کیا کہ محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ کیا ہے؟ ان کا نظریہ کیا ہے؟ ان کا کردار کیا ہے؟ وہابی، دیوبندی، مودودی، تبلیغی، شیعہ، مرزائی، عیسائی، یہودی، سکھ، ہندو سب کے ساتھ شیر و شکر ہونے والے اور یہود و نصاریٰ کو بھی کفار میں شمار نہ کرنے والے اس عظیم شخصیت کی طرف خود کو منسوب کرنے کے حق دار کیسے رہ گئے جن کی دوستی اور دشمنی صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم ﷺ کے حوالے سے ہوا کرتی تھی مگر پروفیسر صاحب کے لئے ایسی باتوں کی کیا اہمیت وہ تو اس سے بھی بڑی بڑی چھلانگیں لگا کر بھی ذرہ بھر ندامت محسوس نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے تقسیم کرنے والے آقا و مولا ﷺ کی طرف ایسے خوابوں کی نسبت کرتے ہیں کہ کوئی مومن اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ان کا یہ ویڈیو خطاب محفوظ ہے۔اسے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خواب میں مجھے فرمایا: پاکستان کے دینی اداروں، جماعتوں اور علماء کی دعوت پر میں پاکستان آیا لیکن انہوں نے میری قدر نہیں کی اب میں اہل پاکستان سے ناراض ہو کر واپس مدینہ منورہ جا رہا ہوں۔میں نے اب یہاں نہ رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔میں یہ سن کر آپ کے قدموں میں گر جاتا ہوں اور رو کر عرض کرتا ہوں کہ آقا! اپنا فیصلہ بدل لیجئے اور پاکستان چھوڑ کر نہ جایئے فرمایا: طاہر! تمہیں معلوم نہیں ان لوگوں نے مجھے کتنا دکھ دیا ہے۔میرے بار بار کے اصرار پر فرماتے ہیں اگر مجھے یہاں مزید ٹھہرانا ہے تو صرف ایک شرط ہے اسے پورا کرنے کا وعدہ کرو میں عرض کرتا ہوں کہ حضور! وہ شرط کیا ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ شرط صرف یہ ہے کہ تم میرے میزبان بن جاؤ میں وعدہ کرتا ہوں تو آپ فرماتے ہیں کہ میں بھی یہاں رکنے کا وعدہ کرتا ہوں۔اور تمہارے کہنے پر مزید سات دن یہاں ٹھہر جاتا ہوں۔ایک وعدہ اور کرو پاکستان میں میرے ٹھہرنے کا، کھانے پینے کا، پاکستان میں کہیں بھی آنے جانے کے ٹکٹ کا انتظام تم کرو گے اور جب واپس مدینہ منورہ جاؤں گا تو واپسی کا ٹکٹ بھی تم لے کر دو گے۔میں نے آپ سے سارے انتظام کا وعدہ کر لیا۔یہ ہے پروفیسر صاحب کا خواب! جسے سن کر اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے خزانے تقسیم فرماتے ہیں اور پروفیسر صاحب بزعم خویش اس عظیم آقا کو ٹکٹیں اور کھانے پینے کی چیزیں دیتے ہیں۔اتنے بڑے بڑے دعوے کرنے والے پروفیسر صاحب کا حشر یہ ہوا کہ دنیا نے دیکھا کہ فیصل آباد کے دھوبی گھاٹ میں یہ عوام سے بھیک مانگ رہے تھے کہ ہمیں سپورٹ، ووٹ اور نوٹ دو، حتیٰ کہ چھوٹے بچوں کو جو جیب خرچ ملتا ہے وہ بھی ہمارے نام نہاد انقلاب کے

لئے جمع کرادو۔غریبوں کی جیبیں خالی کروانے والے غریبوں کو کیا دیں گے۔زمانہ کیا کیا مناظر دکھلاتا ہے۔پروفیسر صاحب تو عرصہ دراز سے چھلانگوں پہ چھلانگیں لگاتے جارہے تھے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی مگر ہم نے یہ منظر بھی دیکھنا تھا کہ خانوادہ محدث اعظم پاکستان نہ ڈرنا نہ بکنا نہ جھکنا جس کی پہچان تھی آج اسی خانوادے سے صاحبزادہ محمد حامد رضا چیرمین سنی اتحاد کونسل بھی اپنے خاندان کی روایات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے دادا جان کی صلابت دینی واستقامت کو بھلاتے ہوئے اپنے تایا جان کے اصولوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنے والد گرامی کی تربیت کو پس پشت ڈالتے ہوئے رافضیوں کے کندھے سے کندھا ملا کر پروفیسر صاحب کے پیچھے کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ان کے تایا جان سے سعودی وزیر نے ملاقات کی کوشش کی۔مولوی عبدالرحیم اشرفی کے ذریعے پیغام بھیجا۔وہ جتنے ریال چاہتے وصول کر لیتے۔ایرانی سفیر نے ملنا چاہا اگر چاہتے تو سودا کر لیتے۔صدر ایوب کی طرف سے پیشکش ہوئی۔دنیاوی مال ومتاع کے عوض ضمیر کا سودا کرنے کے دروازے کھلے تھے۔مگر انہوں نے محدث اعظم پاکستان کا جانشین ہونے کا حق ادا کیا۔صاحبزادہ محمد حامد رضا کے والد گرامی تو طالبان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے رہے تھے۔انہیں سوچنا چاہئے کہ کل اپنے دادا حضور کو کیا منہ دکھلائیں گے۔کاش یہ آنکھیں کھول کر دیکھ لیں کہ ان چھلانگوں کے آگے کیسے عمیق اور ایمان لیوا خطرناک کنویں ہیں۔!

جانور چھلانگ لگا کر کنویں میں گر کر مر جائے، وقت گزرنے پر پانی متعفن ہو جاتا ہے۔آگہی پر اس پانی سے وضو کرنے والے اپنی نمازیں لوٹاتے ہیں۔جب قائدین اندھے کنوؤں میں چھلانگیں لگا دیں تو اصولوں کی، غیرت وحمیت کی، دین وایمان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔جن قائدین کے مراکز سے عقائد ونظریات کی صحت اور پختگی کا فیض تقسیم ہونا تھا۔ان کے حوضوں میں عقائد ونظریات کا پانی صاف وشفاف نہیں رہتا۔اس حوض کے پانی سے فیضیاب ہونے والے پیروکاروں کو چاہئے کہ وہ اپنی قوتِ شامہ کو بروئے کار لاتے ہوئے پانی کی بدبو محسوس کریں۔نمازیں لوٹانے والوں کے طریقہ سے راہنمائی حاصل کریں۔توبہ کریں ایسی قیادتوں کی محبتوں کے بھنور سے خود کو نکالیں۔اب تو وقت ہے توبہ کا، جب موت کا قاصد آ گیا تو پھر وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔

آج بھی مجھے نلکا چلاتے ہوئے بابے کی حق حق کی آوازیں سنائی دیتی ہیں شاید ان آوازوں میں نعروں میں تنبیہ تھی کہ آنے والو! قدم سنبھال کر رکھنا یہاں کنواں موجود ہے۔پھسل گئے تو خود بھی موت کا نوالہ بن جاؤ گے اور لوگوں کی نمازیں بھی ضائع ہوں گی۔

ان شاء اللہ العزیز اگلے شمارے میں پھر آپ سے باتیں ہوں گی۔محبتوں، جذبوں، الفتوں، شکائتوں کے اسی چوراہے پر آہ وفغاں کے اسی شور میں۔

فقط والسلام مع الاکرام

آپ کی آراء، مشوروں، کرم فرمائیوں کا منتظر

ابوالحسنین رضوی ۲۹ ذوالحجہ ۱۴۳۵\۲۵ اکتوبر 2014